© rasailojaraid.com

قرآن کا منہاج فکر و نظر

تالیف : ڈاکٹر سید عبداللطیف
ترجمہ : محمد قطب الدین احمد بختیار

اعتراف و تسلیم :

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی ۔۔۔ کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

آزردہ (مفتی صدرالدین)

ڈاکٹر سید عبداللطیف کا ترجمۂ قرآن اپنے موضوع کے لحاظ سے انگریزی زبان میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ جب خالقِ کائنات کسی سے کچھ کام لینا چاہتا ہے تو علت و معلول کے سارے رشتے توڑ دئے جاتے ہیں اور ہر عمل خارق عادت اور معجزانہ شان کا حامل نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہ کسی دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل ہیں، اور نہ کسی عربی جامعہ سے سند فراغ حاصل کی ہے۔ ادبیات انگریزی میں (Kings College) لندن سے درجۂ استناد (Doctorate) عطا ہوا، آنکھوں کا سرمہ خاکِ مدینہ و نجف تھا، جلوۂ دانش فرنگ نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکا۔ انھیں اس خصوص میں جو کچھ سینے اور سفینے سے حاصل ہوا، وہ ان کا خانہ زاد ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ سید جلال الدین بخاری، مخدوم جہانیاں، جہاں گشت، فیروز شاہ تغلق کے مرشد، اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے معاصر تھے، یہ سادات نجیب الطرفین سے ہیں، جن کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام پر منتہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ قرآن متداول تراجم میں نہ صرف ممتاز اور بے مثال خوبی کا حامل ہے، بلکہ ادب وانشا، زبان وبیان کی لطافتوں اور شیوہ طرازیوں کو اپنے جلو میں لیے، حلّ اشکال وشرح معانی میں اپنی طرفگی کو جاذب نظر بنائے، اپنے قلمِ بوقلموں سے چمن چمن لالہ و نسترن کھلائے، اپنی تمکین سے کوشش دہقان کو شرمائے، منفردانہ شان کے ساتھ عمل پر دعوت فکر دے رہا ہے، جہاں نظر پڑتی ہے، شہید نظارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کا اندازہ شناس وہی ہو سکتا ہے جو ژرف نگاہی سے اس کے مطالعہ کے ساتھ دیگر تراجم سے اس کا موازنہ بھی کرتا جائے، مگر کون ہے جو اس دیدہ ودل کی قربانیوں کے لئے تیار ہے؟

اجتماع ضدین محال سمجھا جاتا ہے، مگر قدرت کی تماشہ گاہ اسی کی کارفرمائیوں اور کرشمہ سازیوں کی جلوہ گاہ معلوم ہوتی ہے، یہاں ناسازگاریوں ہی کی گود میں سازگاریاں پرورش پاتی رہی ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ایک عارف تام المعرفت کی چیخ زمزمۂ صداقت بن کر گونج اٹھی، عرفت ربی بجمع الاضداد، صنمکدے سے ابراہیمؑ کو کھڑا کرنا، یوسفؑ کو تخت مصر پر براجمان کرنے کے لئے اندھے کنویں میں جھونک دینا، موسیٰؑ کو فرعون کی مربّی کے لئے اس کی آغوش پرورش میں پروان چڑھانا، بلالؓ کو حبش، صہیبؓ کو روم، حسنؒ کو بصرہ سے کشاں کشاں لے آنا، کوفہ میں نوآباد شدہ جاٹ قبیلہ زوط سے بوحنیفہؒ کو، الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفہ، کی شان عطا کرنا، موبدان مجوس سے بخاریؒ کو امام المحدثین واصح الکتب بعد کتاب اللہ کی سند قبول سے نوازنا، مغ زادگان و ترسا بچگان سے بایزید بسطامیؒ کو سرخیل اولیاء وسلطان العارفین کی سربلندی بخشنا، شبلیؒ کو راجپوتانہ کے ریگزاروں میں نسیم حجاز کی شمیم انگیزیوں سے گل بیرہن بنا کر ایک بلند پایہ سیرۃ نگار اور بے نظیر مورخ اسلام کے درجہ پر فائز کرنا، اقبالؒ کو باوجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برہمن زادگی کے رمز آشنائے روم و تبریز کرنا، عبید اللہ سندھی رح کو ایک سکھ گھرانے میں جنم دے کر ولی اللہی حکمت کا فقیہ المثال شارح قرار دینا ___ اگر اس مبداء فیاض کی کرم گستری کسی سید زادے کے سینہ کو علوم و معارف کا گنجینہ بنا دے، تو وجہ حیرانی کیوں ہو، بلکہ باعث صد شادمانی ہے کہ حق بہ حقدار رسید۔ اسی قانون کے تحت ڈاکٹر صاحب کا یہ ترجمہ رشک صد ازہر اور رو کش صد ہزار دانشگاہ علوم ہے ؎

میکدۂ تہی سبو حلقۂ خود فراموشاں   مدرسۂ بلند بانگ بزم فسردہ آتشاں

اقبالؔ

ڈاکٹر صاحب کا یہ کارنامہ کسی اکاڈیمی کے کام کو درس خجلت دے رہا ہے، جس کو انھوں نے یکہ و تنہا سرانجام دیا ہے۔ جو کچھ بھی انھیں اپنے رفقائے کار سے اس معاملہ میں مدد ملی ہے۔ وہ بہ استثنائے چند مزدکارانہ نوعیت کی حامل ہے، علمی نہیں۔ سن، صحت، اور بینائی کو دیکھتے ہوئے یہ مہتم بالشان خدمت کرشمۂ قدرت نظر آتی ہے۔ اس عالم آب و گل میں کسی کا پندار تقدس خرقہ و عمامہ اور گنبد دستار کی عمارت گری میں مصروف خود بینی ہے، تو کوئی ناگفتہ بہ اور ناساز گار حالات میں اپنی ساری نیاز مندیوں کے ساتھ "دل بیار و دست بکار" کی خوش آئینوں کو نباہتے ہوئے گوہر مراد کے حصول میں فائز المرام ہو رہا ہے اور عرفی، اقبال، حافظ کی زبان میں زمزمہ سنج، پائے کوب و دست افشاں، ساغر شکرانہ چھلکا رہا ہے ؎

گر دیر بر آئیم ز گرداب میندیش   کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

ترا با خرقہ و عمامہ کارے   من از خود یافتم بوئے نگارے

زاہد غرور داشت، سلامت نبرد راہ   رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

ڈاکٹر صاحب نے اس ترجمۂ کتاب میں مطالعہ قرآن کی بابت جو گرانقدر تشریحات بہ عنوان، "قرآن کا انداز فکر، پیش کی ہیں اور قرآن کے نظریۂ حیات کو حسن بدیع الاسلوبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ماقلّ ودلّ انداز میں سپرد قرطاس کیا ہے، وہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف میں داخل ہے۔ اگر اس شہ کار کو اردو میں منتقل نہ کیا جاتا تو ایک بڑی علمی کوتاہی کے مراف ہوتا۔ میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ طرز واسلوب کی ساری خوش ادائیوں کو نباہتے ہوئے اردو پیرایہ میں اسے سنوارا جائے ؎

بہ طراز زندگی قامتِ موزوں نازم
یک لقانیست کہ شائستہ اندام تو نیست — 'نظیری'

اگر اس پر بھی کہیں کوئی خامی رہ گئی ہو تو اسے نگاہ صورت پرست کی نارسائی وکوتاہی پر محمول کریں ؎

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرمِ نگاہ دیدۂ صورت پرست است — 'نظیری'

بادی النظر میں یہ امر وجہ استعجاب ہے کہ ڈاکٹر باوجود، رومی وغزالی، ابن عربی وشاہ ولی اللہ اور دیگر افادات علمیہ سے راست استفادہ نہ کرنے کے کس طرح ان کے خیالات وتصورات ان بزرگان دین سے متوارد ہو رہے ہیں؟ یہ ادنیٰ تامل اس صداقت کا انکشاف ہوتا ہے، تمام حقائق کا سرچشمہ ذات واحد ہے اور اسی حقیقت الحقائق سے جملہ علوم ومعارف کا صدور ہو رہا ہے، یہ ایک موہبت الٰہی ہے، کسی کی اجارہ داری نہیں ؎

تا دیدۂ ما راند بہ حسنِ تو نو رے
در باغِ جمالِ تو تماشہ نتواں کرد — 'رومی'

میں نے ان متواردات کو، جہاں تک میری یادداشت نے دستگیری کی، سلفِ صالحین کے ارشاداتِ عالیہ سے متوافق اور موثق کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ اقتباسات متن میں مثل شیر وشکر بہم آمیز ہو کر نورٌ علیٰ نور، غیر انفکاک پذیر، اور گوشت وناخن کے حکم میں داخل ہو گئے ہیں ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنچناں با تو یکے گشت وجود م اے دوست
کہ ترا بے تو تواں دیدن و بے من نتواں — حکیم اکنائے کاشی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس خدمت کو اہل اللہ کی نظر میں پسندیدہ، اور اپنی بارگاہ سے اس محنت کو سرمایۂ قبول عطا فرما کر مالامال فرمائے ؎

اکسیرِ حسن در نظرِ پارسا شناس
اقبال اہلِ دل ز قبولِ خدا شناس — نظیری

قرآن کا منہاجِ فکر و نظر

اسلوب مطالعہ:

جو کوئی صحت مندانہ انداز میں قرآن کی اساسی تعلیمات پر غور و فکر کا آرزو مند ہوگا، قرآن خود اس منہاجِ تحقیق کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ آل عمران، "(اے پیغمبر) وہی (حی و قیوم ذات) ہے جس نے تم پر الکتاب نازل فرمائی۔ اس میں ایک قسم محکم آیتوں کی ہے اور وہ کتاب کی اصل و اساس ہیں۔ دوسری قسم متشابہات کی ہے (یعنی تشبیہ، مجاز و استعارہ کی حامل) سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو متشابہ ہیں، اس غرض سے کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت معلوم کر لیں، حالانکہ ان کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر جو لوگ علم میں پکے ہیں، وہ کہتے ہیں، ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ (تعلیم حق سے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دانائی حاصل کرتے مگر وہی لوگ جو صاحب عقل و بصیرت ہیں۔"

یہاں پورا زور اس امر پر ہے، جسے قرآن محکمات سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایسی آیات ہیں جو اپنے معانی و مطالب میں روشن اور جو بالجملہ قرآن میں ام الکتاب و اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور جہاں معانی و مطالب کے اظہار میں رمز و کنایہ اور تشبیہ و استعارہ استعمال ہوا ہے، انھیں متشابہات کا نام دے کر پہلے جز سے امتیاز بخشا گیا ہے۔ قرآن کے نظریات اور طرزِ فکر کا سراغ اولاً محکمات ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے کہ ہمارے ذہن و فکر پر یہ بات واضح ہوجائے کہ قرآن کا وہ کون سا جز ہے جسے متشابہات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، تب ہی ہم اس موقف میں ہوتے ہیں کہ کامل یکسوئی کے ساتھ محکمات کو اپنا مطمح نظر بنائیں اور اس کے نظامِ فکر کی ساری وسعتوں کو اپنے دامان نگاہ میں سمیٹ لیں۔ افسوس ہے کہ تاریخِ اسلام میں اس کی اہمیت کو درخور اعتنا نہ جان کر اس جانب کم توجہ کی گئی کہ ایسی تمام آیات جو بہمہ وجوہ اور ہر گونہ محکمات کہلائی جاسکتی ہیں قابل فہم انداز میں یکجا کی جاتیں۔ یہ تقاضہ اپنی پوری شدت کے ساتھ اس وقت بھی موجود ہے۔

جب تک تمثیلی پیرایۂ بیان اختیار نہ کیا جائے، تو اصل شئے کا ادراک جسے نہ دیکھا گیا ہو، جاننا اور تصور کرنا دشوار ہوجائے۔ اس قبیل میں قرآن کے وہ جملہ اظہارات، جہاں استعارات، امثال، اور مجازات کا استعمال ہوا ہے۔ اگر اس نظریہ کو تسلیم کرلیا جائے تو دوزخ، جنت، حشر، اور عالمِ غیب کے تعلق سے جملہ بیانات جو سارے قرآن میں گوناگوں طریقِ ادا کے ساتھ بکھرے ہوئے ہیں، متشابہات کے تحت لائے جاسکتے ہیں۔ ایسی تشریحات ان آیات میں بکثرت پائی جاتی ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں، مدنی آیات میں بھی ان کی کچھ کمی نہیں۔ آغاز بعثت کی سورتیں، جن کا تعلق مکی دور سے ہے، اہل مکہ کی ذہنی نشو و نما اس درجہ پر نہیں تھی کہ صحیح انداز پر اس روحانی زندگی کے قدر شناس ہوسکیں، جو قرآن کے پیش نظر تھی، اس لیے نتائجِ اعمال کے بارے میں خیر و شر کے تعلق سے ایسا اسلوب بیان اختیار کیا گیا جو آسانی کے ساتھ ان کے دل و دماغ میں اتر جائے۔ دوزخ، جنت اور حشرِ اجساد ایسے مصطلحات تھے جو ان کی زبان پر رواں اور جن سے وہ بخوبی آشنا تھے۔ ذات رسالت ؐ، ہر دو حیثیتوں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بشیر و نذیر کی حامل تھی۔ جس طرح آپؐ بداعمالیوں کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، ویسے ہی نیکوکاروں کو مژدۂ کامیابی سنانے والے تھے۔ لہذا لذت و الم جو نیکی اور بدی کے قدرتی نتائج ہیں، اس روحانی کیفیت کو قابل فہم بنانے کی خاطر مادی صورت میں روپ دھارنا اور اس کے لیے زبان آب و گل اختیار کرنی پڑی ہے

در زبانِ آب و گل گفتارِ جاں　　در قفس پرواز می آید گراں　　اقبال
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو　　بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

قرآن میں عذاب و ثواب کے جو جابجا تصریحات ہیں، امام غزالی جواہر القرآن میں ان کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ "ہرگز نہیں، اگر تم کو یقین ہوتا تو تم دوزخ کو نہیں دیکھ لیتے۔" امام غزالی اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں، ای ان الجحیم فی بالمنکم یعنی دوزخ خود تمہارے اندر موجود ہے۔ قرآن میں ایک اور مقام پر ہے، وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌ بِالْکَافِرِیْنَ "کفار کہتے ہیں کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ نے کافروں کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔" اس کی تفسیر امام صاحب اس طرح کرتے ہیں، خدا نے یہ نہیں کہا کہ دوزخ آئندہ محیط ہوگی بلکہ یہ کہا کہ ابھی اسی وقت محیط ہے۔ امام صاحب ان آیتوں کی تفسیر لکھ کر کہتے ہیں، اگر تم مطالب کو اس طرح نہیں سمجھتے تو تم کو قرآن سے صرف اس کا چھلکا ہاتھ آیا، جس طرح بہائم کو گیہوں میں صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے

من ز قرآں مغز را برداشتم　　استخواں پیشِ سگاں انداختم　　رومیؒ

بہشت و دوزخت با تست، در باطن نگر خود را
سقرہا در جگر، جناں ہا در جناں بینی　　حکیم الٰہی سنائیؒ

امام غزالی، شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ میں قدر مشترک یہ ہے کہ جو امور ماوراء محسوسات اور عقل ہیں انہیں تشبیہ و استعارہ اور روحانیات کو جسمانیات کے پیرائے میں بیان کیا جاتا۔ مثلاً موت کے بعد جو رنج و راحت ہوگی، اس کو بجز اس کے کہ باغ و انہار اور کژدم و مار سے تعبیر کیا جائے اور کیا طریقہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے، لیس فی الدنیا ممافی الجنۃ الا الاسماء، دنیا اور آخرت کی چیزوں میں نام کے سوا اور کسی بات میں مشارکت نہیں۔ شاہ ولی اللہ اس کو عالم مثال، شیخ الاشراق عالم اشباح، اور امام غزالی اس کو تمثل خیالی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم ان ہی باتوں کو سمجھ سکتے ہیں جن کی مثالیں اس مادی دنیا میں گذرتی رہتی ہیں۔ وہ عالم جو نگاہوں سے مستور بلکہ تصور سے بھی دور ہے اس کے بارے میں سمجھانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اس دیدہ شہرستان وجود یعنی دنیا کے قیاس پر اس نادیدہ شہرستان بقا یعنی آخرت کا ہر نقشہ سمجھایا جائے اور یہی حضور کی تعلیم نے سرانجام دیا۔

نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دور پیمانہ　　فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزم جانانہ　　اقبال

لذت والم اپنی روحانی اور غیر مادی صورت کن لطافتوں اور کثافتوں سے ہم آغوش ہیں، ان کی کلاہ فگن پستیاں وبلندیاں اہل مکہ کے فہم وادراک سے ماوراء تھیں۔ روحانیات کے اصل حقائق کی نقاب کشائی بتدریج مابعد دور مدینہ میں کی گئی۔ جہاں معاشرہ اپنی تہذیب وشائستگی کے باعث ایک بلند سطح پر فائز تھا۔ یہاں یہودی، عیسائی، مہاجر وانصار صحابہ، جن کے ذہن ودماغ صحبت رسالت سے جلا پاکر فیضان نبوت اور کتاب وحکمت کے اخذ واکتساب کے قابل ہو چکے تھے۔ ان مواقع پر بھی جنت ودوزخ کا تذکرہ آتا رہا اور اسی انداز میں حور وقصور، گلزار وانہار، نشاط افزا سرسبزیاں اور شادابیاں پیش کی گئیں، لیکن اس امر کے انتباہ کے ساتھ کہ یہ سارے بیانات محض تمثیلی حیثیت کے حامل ہیں، ان کے ظاہر الفاظ کو گورکھ دھندا بنا کر نہ کھیلا جائے۔

نسبتِ رویت اگر باماہ وپرویں کردہ اند
صورتِ نادیدہ تشبیہے بہ تخمیں کردہ اند　　حافظ

امثال کے ذریعہ جو منظر آرائی کی گئی ہے، وہ ارباب دانش وبصیرت کے لئے بھی اتنی ہی تشفی بخش ہے، جتنی کہ کم استعداد رکھنے والے عامی کے لئے۔ نیکوکار سکون کی زندگی سے شادکام اور خطاکار اضطراب وبے چینی سے تلخ کام رہیں گے۔ امثال کی غرض وغایت اس تاثر کو ذہن ودماغ میں پیدا کرنا ہے۔ جو تمثیلات پیش کی گئی ہیں وہ لازماً اس دنیا کی معلومہ آسائشوں سے ماخوذ ہیں، اس لیے جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیش سامانیوں کا نقشہ فردوس نظر بنایا گیا ہے، وہ باغ و چمن، شہد و لبن کی نہروں اور خوش آئند صحبتوں وغیرہ پر مشتمل ہے مگر ہر محل پر اس امر سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ کہیں اس کو مادی دنیا کی عشرت کوشیوں کی طرح نہ سمجھ لیا جائے، جنت کے باغات کو اس حیاتِ دو روزہ کے باغوں سے کوئی مماثلت نہیں۔ وہاں کے ثمرات اور پھل موسمی اثرات سے بے نیاز، جس کے چشموں کا پانی سڑاند اور گندگی سے پاک، جن کی خوش ذائقگی لذتوں میں ایک دوسرے سے ممتاز، اس کے نازنینان صحبت مادی و جسمانی آلائشوں سے منزہ، وہ جن کا خمیر لطافتوں سے گوندھا گیا ہو، جن کا حسن و جمال عنفوان شباب کی رعنائیوں کو ہمہ وقت نت نئی آرزومندیوں کے ساتھ اپنے آغوش میں کھلاتا رہتا ہو، جہاں کی باہمی صحبتوں میں کسی لغو ژاژ خائی کا گذر نہ ہو سکے۔ جنت کے اس تصور کو معہ اس کی ساری خصوصیات کے ایک حدیث قدسی میں بصد حسن کاری سمیٹ لیا گیا ہے، اور اس امر کی تاکید ہے کہ یہ سارے امثال اس کی ایک ہلکی سی جھلک دکھلانے سے بھی قاصر و تہی دامن ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ، اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (بخاری) میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ عیش و راحت کے سرو سامان مہیا کیے ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا، یعنی ان نادیدہ، ناشنیدہ، اور در دل ناخلیدہ مفاہیم کے لیے زبان آب و گل یکسر بے مایہ ہے ؎

صد شیوہ یافتیم ز معشوق روز وصل — وز بہر نیم شیوہ بیانے نداشتیم — 'عرفی'

اسی طرح وہ امثال جو دوزخ کے لیے اختیار کیے گئے ہیں وہ بھی اس مادی دنیا کی تکالیف و آلام سے لیے گئے ہیں اور رمز و کنائے میں غیر صالح زندگیوں کی اس کوفت اور کلفت کو پیش کیا گیا ہے جس سے اس نظام نو میں ان کی روح گھری ہوئی ہوگی۔ قرآن خود اس کیفیت کو اس طرح واشگاف کرتا ہے:

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ہ نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي ہ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ

اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا چیز ہے، یہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جس کے شعلے قلب کے اندرونی گوشوں سے لپک رہے ہوں گے ؎

رزق یک ناسور شد چوں شمع سرتاپائے من — تاکف پا سوخت از داغے کہ سر بر داشتم — 'علی'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں ایک ایسے ذہن کو جہنم کے مماثل قرار دیا گیا ہے جو روحانی کوفت کے صدمہ ہائے جانگداز سے بدحواس خود اپنے ہی دامان حیات کے تار و پود بکھیر رہا ہو۔

جب معاشرہ نے فہم و ادراک حقائق میں اپنی صلاحیتوں اور استعداد کے لحاظ سے مزید برتری حاصل کی اور فہم کتاب کے ساتھ اس کی حکمت سے بھی بہرہ ور ہونے لگا تو قرآن نے بھی حیات مابعد کے تعلق سے انکشاف حقائق کا ایک بلند تر اسلوب اختیار کیا چنانچہ اس آیت میں فردوس کا جو تصور پیش کیا گیا ہے، اس میں اس کے چہرے سے مادی نقاب کے سارے بندھنوں کو ایک ایک کر کے توڑ دیا گیا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ

(آل عمران ۱۳۳) اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف تیز گام ہو جاؤ، نیز اس جنت کی طرف لپکو جس کی پہنائیاں آسمانوں اور زمین کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئی ہیں، جو نیکوکاروں کے لئے کشادہ آغوش ہے۔

یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہے ۔۔۔ تری نگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں "اقبال"

روایات و آثار میں یہ واقعہ محفوظ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت بازنطینی سلطنت کے حکمران، ہرقل کا قاصد دربار نبوی میں باریاب تھا۔ عرض پرداز ہوا، جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ بہشت آسمانوں اور زمین کی وسعتوں کو گھیرے ہوئے ہے، تو پھر دوزخ کہاں ہوگی۔ حضور نے باوقار اور پرسکون لہجے میں ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! جب صبح اپنی افق تابیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے تو رات کی تاریکیاں کس چادر میں اپنا منہ چھپا لیتی ہیں۔ حضور نے یہ کہہ کر سکوت فرمایا، اور سائل نے بلا کسی مزید استفسار کے خاموشی اختیار کی اور اپنے قلب کو دلجمعیوں اور سکون آفرینیوں سے معمور پایا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا یہ ملفوظ کس قدر اس حدیث کی روح کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے:

"الٰہی! نہ خواہانِ بہشتم نہ دلدادۂ عیش و نشاطم، مرا از فضل خود دیدۂ بہ بخش کہ از ہر نفس در

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱ ہر نظر صد ہزار فردوس آراستہ کنم" ع "بہر جانب کہ رو می آورم گلزار می بینم"

آغاز تبلیغ میں آنحضرتؐ اس حقیقت سے کماحقہ آگاہ تھے کہ اہل مکہ کے جس طبقے سے آپ کو سروکار رہے گا، وہ فسق و فجور میں رچا ہوا، مشرکانہ اعمال میں ڈوبا ہوا، اور ریت رسم کے بندھنوں میں جکڑا ہوا اور ان کا حد درجہ گرویدہ ہے۔ اس خصوص میں قرآن کا حکیمانہ کمال یہ تھا کہ وہ ان بُرے انجامیوں سے خبردار کرے جو ان سے ظہور پذیر ہو رہے تھے۔ یہ انتباہ کسی سخت طرز و روش کا متقاضی تھا، لہذا دوزخ کا نقشہ دل دہلا دینے والے انداز میں پیش کیا گیا۔ یہ ان جسمانی المناک تجربات پر مبنی تھا، جن کی دہشت خیزیوں کے تصور سے انسانی فطرت چلا اٹھتی ہے۔ قرآن کا اولین مقصد، کہنہ را درشکن و باز بہ تعمیر خرام، کے اصول پر قبل اس کے کہ انھیں قرآنی دعوت اور پیغام سے سنوارا جائے، ان کو زندگی کے مکروہ پہلوؤں سے روشناس کرنا اور زندگی کے برتر و اعلیٰ درجات پر فائز کرنا تھا تاکہ وہ دوسری اقوام کے لئے، امتاً وسطاً، نمونۂ کلام و مثال ثابت ہوں۔

جہاں روشن چو صبح از فیض احساں میتواں کردن
چراغے گر بکف باشد، چراغاں می تواں کردن
علیؔ

اُمّئ بود کہ ما از اثرِ صحبتِ او
واقف سرّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم

اصل ما یک شرر باختہ رنگے بود است
نظرے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم
اقبال

قرآن کا نظریہ حیات | قرآن اپنی دعوت و پیغام کی اطاعت کو اس اساسی ہدایت نامہ، 'امنوا و عملوا الصالحات'، میں پیش کرتا ہے، یہ وہ دوگونہ مرکزی حکم ہے، جس کے گرد پورا قرآن اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ گھوم رہا ہے۔ جو راہ عمل تجویز کی گئی ہے وہ زندگی کے چند بنیادی حقائق سے وقوف و آگہی حاصل کرنا ہے، جن کا استحضار اتنا قوی ہو کہ ہمارے فکر و عمل کی ہر کیفیت ان ہی کی مطابقت پذیری میں جلوہ گر ہوتی رہے۔

توحید الوہیت | اولاً ایمان باللہ اور خدا کی یگانگت کو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ساری کائنات، غیب و شہود، اپنے وجود میں اس ذات واجب الوجود، برتر و اعلیٰ کی محتاج، اور سر و سامان حیات سے فیضیاب ہو رہی ہے۔ یہ وہ اساسی تصور ہے، جس کا قرآن ذہن انسانی کو روشناس کرنے کا آرزومند ہے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ اس احساس یگانگت کو بیدار کرے کہ وہ جزِ کائنات ہے اور ہر موجود دیگر مخلوقات کے ساتھ گتھا ہوا، ہم رشتہ، اور وابستہ ہے۔ اس تصور پر قرآن اتنا زور دیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا قرآن بجز اس کے مضمرات کی توضیح کے اور کچھ نہیں۔ جیسا کہ (Emerson) نے کہا ہے کہ پوری کائنات ایک قطرۂ شبنم میں سمٹ آئی ہے:

The Universe globes itself into a drop of dew.

یا کارلائل کے الفاظ میں کل موجودات ایک پرکاہ کی نشو ونما میں باہمدگر سرگرم اور تعاون عمل کر رہی ہے:

The whole Universe co-operates to make a blade of grass to grow

یکیست حسن بصد جلوہ از نقاب چکید   رگ چراغ زدم، خون آفتاب چکید   "قائم دیوانہ"

دل ہر قطرہ را گر واشگافی   بروں آید از و صد بحر صافی   "صاحب گلشن راز"

ع لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں   اقبال

توحید الوہیت سے بطور ضمنی نتائج، ایمان بالملائکہ، ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، اور ایمان بالآخرہ پیدا ہوتے ہیں۔ فعل وانفعال، علت و معلول اور نتیجۂ اعمال کے اس قانون کو قرآن یوم الآخرہ، یوم الحساب پر ایمان سے تعبیر کرتا ہے۔ جہاں ہر ایک کو اپنی مابعد زندگی میں اس کا حساب دینا پڑے گا، جس نوع سے اس نے اس حیات ارضی میں اپنی زندگی گزاری ہے ؎

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب   خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا   غالب

التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی عیال اللہ، احکام الٰہی کا احترام اور خانوادۂ خداوندی پر لطف واحسان، یہ دین اسلام کے بازو کے دو شہپر ہیں، جن سے وہ فضائے کائنات میں وقف پرواز رہتا ہے ؎

کہ بر شیخ و برہمن دارد احسانے کہ من دارم   چراغ کعبہ و دیر است ایمانے کہ من دارم   "علی"

عالم گیر اخوت کو فروغ دینے کے لئے، قرآن اولاً بے تعصبی اور احساسِ رواداری کو زندگی کے ہر شعبہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروغ دینا چاہتا ہے، یہ رواداری اتنی وسیع الاطراف ہے کہ قرآن اس رجحان طبع کو انسان میں پوری وسعت قلبی کے ساتھ اُبھارنا چاہتا ہے کہ بخشائش ونجات نہ صرف حاملین قرآن تک محدود رہے بلکہ خدا کی رحمت کی حدود نا آشنا پہنائیاں ان اہل کتاب کو بھی اپنی آغوش میں لے لیں جو اسلام سے قبل پیغام خداوندی سے نوازے گئے، اور ساتھ ہی ایسے افراد کو بھی ان میں شامل کرتا ہے جو وحدت انسانیت میں توحید الوہیت کے جلوے دیکھتے ہیں، اپنے اعمال کے احتساب اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ نیکو کارانہ زندگی بسر کرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ ۶۲)

جو لوگ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لاچکے ہیں یا وہ لوگ ہوں (کوئی بھی ہو، کسی گروہ بندی سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوں تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا، اس کو کسی طرح کھٹکا اور غمگینی نہ ہوگی۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ تصور جو پیش کیا گیا ہے وہ محض عالم خیال کی خوش فہمیاں نہیں جن پر پیروان قرآن سر دھنتے رہیں بلکہ ایمان کے رسوخ اور پختگی کے لئے اسے لازمی گردانا گیا ہے۔ روح و معنی کے لحاظ سے اس پر عمل آوری میں ادنیٰ کوتاہی دائرۂ ایمان سے خارج کر دیتی ہے:

به کعبه سجدهٔ عارف نمی کنند قبول — اگر به دیر نهد پا بر آستان گستاخ — نظیری

امام غزالیؒ رسالہ تفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں تعلیمات اسلامی سے مستنیر ہو کر کس واشگاف انداز میں اس امر کا اظہار کر رہے ہیں، بل اقول اکثر نصاری الروم والترك فی هذا الزمان تشملهم الرحمة انشاء الله تعالی الخ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اکثر نصارائے روم و ترک جو ہمارے زمانے میں ہیں ان کے رحمت الٰہی انشاء اللہ شامل حال ہوگی ؎

سخت گیری و تعصب خامی است
تا جنینی، کار خوں آشامی است — 'رومی'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روح عبادت | قرآن اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ عبادت بجائے خود کوئی تقدس کا عمل نہیں، اگر وہ عبادت گزار کے قلب میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ جذبۂ خدمت گزاری کو نہ ابھارے رضا صرف مسجد کی چار دیواری میں نہیں، اس کے مشرقستان تجلی کے زاوئے شور شہر اور فتنۂ بازار ہیں صداقت شعارانہ انداز پر روزمرہ کے کاروبار اور باہمی معاملات کی داد و ستد میں اس کے جلوے اور بلوے ہیں۔ صفت رحمت اللعالمین کی جلوہ گاہیں مکہ کی وادیاں اور مدینہ کی گلیاں ہیں، غار حرا کی خلوت نشینیاں نہیں، ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

خلقے ترا ز خلوت و عزلت طلب کنند تو شور شہر و فتنۂ بازار بودۂ ' نظیری '

لاف مردی می زنی در انجمن با دوست باش
خویشتن را چوں زناں در گوشۂ خلوت مکش ' عرفی '

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کا بیان ہے کہ میں دو مرتبہ سخت حیران رہا۔ ایک شخص کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا، وہ سخت غافل تھا، میں حیران رہا کہ اللہ کے گھر میں اللہ کی یاد سے یہ غفلت۔ دوسری دفعہ ایک کپڑے کے تاجر کو بخارا میں دیکھا، تمام دن خرید و فروخت میں مشغول، مگر ایک لمحہ کے لئے یاد خدا سے ذہول و نسیان نہ تھا۔

از برون در میان بازارم وز دروں خلوتے ست با یارم

اسلام مذہب کو کسی کا شخصی معاملہ تصور نہیں کرتا۔ وہ انسانی ذہن کو اس انداز پر فروغ دینا چاہتا ہے کہ اس کی ساری سرگرمیاں امتیاز دینی و دنیوی سے بے نیاز، روحانی رنگ میں رنگ جائیں تاکہ وہ اپنی توانائی اور حرکت فی الحیات کو فکر و عمل کے ہر میدان میں وحدت فی الحیات کے لئے وقف کر دے اور ایک دیرپا تمدن کے قیام و تکمیل پذیری میں ممد و معاون ثابت ہو۔ علامہ اقبال اجتماع و عمران کی اس کیفیت کو روحانی جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس کے قیام کو اسلام کا آخری نصب العین قرار دیتے ہیں۔ خطبات مدراس کا چھٹا خطبہ ان جملوں پر اختتام پذیر ہو رہا ہے:

Let the Muslim of today appreciate his

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Position, reconstruct his social life in the light of ultimate Principles, and evolve, out of the hither to Partially revealed Purpose of Islam, that Spiritual Demo-cracy which is the ultimate aim of Islam.

"عصر حاضر کے مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے مقام کا اندازہ شناس ہو، اصول اساس کی روشنی میں اپنی حیات عمران کا احیا کرے اور الی الآن جزءً منکشف شدہ مقصد اسلام سے یہ استنباط کرے کہ "روحانی جمہوریت ہی اسلام کا آخری نصب العین ہے۔"

نیرنگیٔ گلشن نہ شود ہم سفرِ گل　　آئینۂ زخود می رود و جلوہ مقیم است　　'بیدل'

حنابندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے　　'اقبال'

معمارِ حرم ! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز !

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ج (انعام ۱۱۵)

ختم کا ہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

© rasailojaraid.com